# بین المذاہب رواداری اور مولانا ظفر علی خاں

شازیہ رزاق

ABSTRACT:

Molana Zafar Ali Khan marked his presence in the political, social, literary, historical and cultural life of his age, which was indeed a difficult and sensitive era. He was an institute in his own personality and leader of a depressed community. Allama Shibli Naumani was proud of him as his student. Unity among Muslims was the main objective of his life. He was messenger of love, affection and religious tolerance and these concepts reveals from his newspaper "*Zameendaar*". The legacy developed through saints and their teachings in united India and religious tolerance taught by them could be seen in prose and poetry of Molana Zafar Ali Khan. My article is an attempt to search the aforesaid concepts of Interfaith tolerance, peace and also to describe Molana's love and respect for Islam .

**Key Words:**

Zamindar, Zafar Ali Khan, Shibli Naumani, Freedom Movement.

مولانا ظفر علی خاں نے ایک نازک ترین دور میں خون جگر سے اپنے عہد کی سیاسی و سماجی ،صحافتی و ادبی زندگی اور تاریخ میں رنگ عمل بھرا۔ وہ ایک فرد نہیں بلکہ اپنی ذات میں ایک ادارہ تھے۔ ایک عہد کی تاریخ اور محکوم قوم کے رہنما تھے۔ علامہ شبلی نعمانی کو اپنے تین شاگردوں سید سلیمان ندوی، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا ابوالکلام آزاد پر بہت ناز تھا۔ اتحاد بین المسلمین ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ وہ مذہبی رواداری اور اخلاص و محبت کے پیامبر تھے۔ ان کا اخبار زمیندار بھی اس کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

برعظیم پاک و ہند میں صوفیا کی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قائم کردہ ، قیام امن اور مذہبی رواداری کی روایت کو مولانا کی نثر و نظم میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ اس مقالے کا موضوع ان کی نثر و نظم میں اسلامی تعلیمات کے تحت مذہبی رواداری کے تصور کا سراغ لگانا اور مولانا ظفر علی خان کی اسلام سے محبت اور ان تعلیمات سے عقیدت

وعمل کے نتیجے میں پیدا شدہ قیام امن کے شعور کا احاطہ کرنا ہے تاکہ بین المذاہب رواداری کے دائرہ کار میں ادبی پیرایہ اظہار کی مثال سامنے آ سکے۔

بین المذاہب رواداری کو عمومی طور پر دو حوالوں سے دیکھا جا سکتا ہے ایک کسی دین کے اندر موجود مسالک و مذاہب کے اختلاف کے حوالے سے اور دوسرے ادیان زمانہ کے ماننے والوں کے حوالے سے، دونوں سطحوں پر اس کا مقصد امن، عدل اور محبت و خوشحالی کی بقا ہے۔ آج کل جو مذاہب دنیا کے منظر نامے پر موجود ہیں ان میں اسلام کے علاوہ عیسائیت، یہودیت، ہندومت، بدھ مت، جین مت وغیرہ ہیں اور یہی وہ مذاہب ہیں جو ایک خدا اور وحی و الہام پر یقین رکھتے ہیں۔ غیر فطری اور غیر عقلی تعلیمات کی بنا پر ان مذاہب کا ماضی میں بھی انسانی معاشرے کے اجتماعی معاملات سے کوئی زیادہ تعلق نہیں رہا لیکن عقل پرستی کے موجودہ دور میں مذہب کا لوگوں کی ذاتی زندگی سے عمل دخل بھی بڑی تیزی سے کم ہو رہا ہے۔ اس وقت مسلمانوں کے علاوہ انسانوں کی غالب اکثریت لادین اور سیکولر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں انفرادی و اجتماعی سطح پر بدامنی، انتشار، عدم مساوات، بین المذاہب تعصّبات، بے راہ روی، خوف، بے حسی اور نفرت و عداوت پھیل رہی ہے۔ دنیا میں قیام امن کے لیے بین المذاہب رواداری کو بنیادی ضرورت قرار دیا گیا ہے۔ اللہ اور اس کی مخلوق سے محبت ہی زندگی کو خوبصورت اور آسان بنانے کا ذریعہ ہے۔ ہر سطح پر اس تصور کو عام کرنے کی کوششیں جاری وساری ہیں مثلاً دنیا میں بین المذاہب رواداری کے فروغ کے لیے ''اوسلو ناروے جون ۲۰۰۴ء میں پہلی بین المذاہب کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جس میں گورنمنٹ آف ناروے اور ناروجین چرچ کی دعوت پر مولانا محمد حنیف جالندھری، مفتی منیب الرحمٰن ر، یاض حسین نجفی اور بشپ سموئل عزرایاہ وغیرہ شریک ہوئے۔ ان سب نے بین المذاہب رواداری، ہم آہنگی اور محبت کی فضا کو فروغ دینے پر زور دیا۔ اعلان اوسلو کے تحت پاکستان میں بھی ورلڈ کونسل آف ریلیجنز برائے عالمی امن و عدل اجتماعی'' کے زیر اہتمام ۶ ستمبر ۲۰۰۴ کو نیشنل لائبریری ہال اسلام آباد میں پہلی بین المذاہب کانفرنس کا انعقاد ہوا۔[۱]

مختلف سماجی تنظیموں اور اداروں کے علاوہ اس سلسلے میں ادب نے بھی اپنا فعال کردار ادا کیا ہے۔ تخلیقی اور غیر تخلیقی سطح پر اس تصور کو فروغ دیا جاتا رہا ہے۔ اردو ادب بھی مختلف صورتوں میں بین المذاہب رواداری کی اہمیت اور ضرورت کا عکاس بنتا رہا۔ جدید دور کے ساتھ ساتھ ماضی میں بھی اس حوالے سے بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ خاص طور پر سرسید احمد خان اور ان کے رفقا کار کی تحریریں اور علامہ محمد اقبال کا کلام اس کی بہترین مثال ہے۔ تشکیل پاکستان کا زمانہ ہماری ادبی تاریخ کا ایک اہم سنگ میل ہے اور بین المذاہب رواداری کی ضرورت و اہمیت کا عکاس بھی۔ تحریک پاکستان کے حوالے سے سامنے آنے والی ایک بڑی شخصیت مولانا ظفر علی خان کی ہے۔ وہ بیسویں صدی کی ایک ہمہ گیر شخصیت تھے۔ وہ ایک ایسے رہنما تھے جو نظریے اور سوچ سے زیادہ عمل پر یقین رکھتے تھے۔ وہ ہر خاص و عام میں اپنی پرکشش شخصیت اور پرخلوص دل کے باعث مقبول و معروف رہے۔ ان کے جذبہ حب الوطنی وآزادی کے لیے کی گئی خدمات کا اعتراف، کیا دوست، کیا دشمن سبھی کرتے تھے۔ سرسید احمد خان نے ان کے بارے

میں کہا:

''ظفر علی خان علی گڑھ کے ان ہونہار طلبا میں سے ہیں جنھیں آگے چل کر اپنی قابلیت کے بل بوطے پر ملک وقوم کی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں۔ میں ان میں ایک روشن مستقبل کے آثار دیکھ رہا ہوں۔۔۔''[۲]

مولانا ظفر علی خان اسلام کو سربلند دیکھنا چاہتے تھے ان کا مقصد مسلمانوں کی فلاح وترقی تھا۔ انھیں اسلام اور مسلمانوں سے والہانہ لگاؤ تھا انھوں نے خود ایک جگہ لکھا ہے۔

اتنی ہی آرزو ہے مرے دل میں اے خدا اسلام کو زمانے میں دیکھوں میں سربلند[۳]

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کا کہنا ہے:

''اتحاد بین المسلمین ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا''[۴]

مولانا ظفر علی خان کا ماننا تھا کہ زندگی کی بنیاد اسلام ہے اور زندگی جن زمانوں میں پابند ہے یعنی ماضی، حال، مستقبل وہ بھی اسلام ہی سے جڑے ہیں۔ ماضی کے جتنے علوم وحقائق ہیں سب میں یہی طاقت کارفرما ہے اور مستقبل میں جو ترقی کے نقوش نمودار ہوں گے ان کا سرچشمہ بھی اسلام ہے اور حال میں وجود پاتے سب حقائق وانکشافات اسی کی دین ہیں۔ لہٰذا بحیثیت مسلمان ہماری زندگی کا لمحہ لمحہ اسی دین سے جڑا ہے اور اس کی ترقی وسربلندی درحقیقت ہماری ہی سربلندی ہے۔ اگرچہ دنیا بھر کی سیاسی و مذہبی طاقتیں اسے مٹانے کے درپے ہیں لیکن یہ دین سب پر بھاری ہے لکھتے ہیں:

ہے کسی مذہب کی منت کش اگر عقل سلیم ہے وہ مذہب مذہب اسلام باللہ العظیم [۵]

اللہ تعالیٰ سورۃ توبہ میں فرماتا ہے:

''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے خواہ مشرکوں کو کیسا ہی ناگوار ہو''[۶]

اس لیے یہ دین کفر کی باطل حرکتوں پر مسکراتا ہے اور یہ مسکراہٹ ان کی ناکامیوں کی نوید بن جاتی ہے:

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا[۷]

اسلام کے اس ''شیدائی اور فدائی'' کا نعتیہ کلام اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ انھیں حضرت محمد ﷺ سے عشق تھا۔ انھیں تاریخ اسلام کی درخشندہ روایات کا شعور تھا وہ اسلام سے محبت کرنے والے ایک پرجوش مسلمان تھے لیکن بین المذاہب رواداری ان کا مسلک تھا۔

جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں وہ خلوص دل سے چاہتے تھے کہ یہ قومیں ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں۔ آزاد اور خوشحال زندگی گزاریں۔ اس کا بین ثبوت ہندو اکابر پر لکھی گئی ان کی نظمیں ہیں۔

اپنی نظم ''ہندوؤں کی تہذیب'' میں سری رام چندر سے خطاب کرتے ہیں:

میں ترے شیوۂ تسلیم پہ سر دھنتا ہوں کہ یہ اک دور کی نسبت تجھے اسلام سے ہے

ہو وہ چھوٹوں کی اطاعت کہ بڑوں کی شفقت زندہ دونوں کی حقیقت ترے پیغام سے ہے
نقش تہذیب ہنود اب بھی نمایاں ہے اگر تو وہ سیتا سے ہے لچھمن سے ہے اور رام سے ہے [۸]

نظم ''تہذیب ہنود'' میں لکھتے ہیں:

کدھر گم ہوا ساغر اس ودیا کا بہا جس سے تھا معرفت کا سمندر
جو گیتا ہی چشم بصیرت سے پڑھ لو تو نور خدا دیکھ لو دل کے اندر
حقیقت شناسی کی گر جستجو ہے سبق تم کو دیں گے سری رام چندر [۹]

نظم ''پند مول چند'' بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے لکھتے ہیں:

کل مجھ کو راستے میں ملے رائے مول چند پہلو میں آپ کے ہے دل اور وہ بھی دردمند
کہنے لگے کہ گوش نصیحت نیوش سے سن لیجے خاکسار کے بھی آج چند پند
ہے میرے تجربے کا بس اک نکتہ پر مدار میری طرح جناب بھی ہوں اس پہ کار بند
دل کا شکار کیجیے لیکن یہ شرط ہے فتراک انکسار ہو اخلاق ہو کمند [۱۰]

مولانا نے سچائی اور عدل کے لیے ہر قوم کی کوشش کو سراہا اور ان کا ساتھ دیا۔ زمیندار میں گوردوارہ تحریک کے سلسلے میں سکھوں سے ہمدردی بھی اس کی مثال ہے لکھتے ہیں:

''ہندوؤں اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس غیور قوم سے آزادی و سرفروشی کا حقیقی سبق سیکھیں۔''[۱۱]

نظم ''خالصہ کا پیغام'' میں کہتے ہیں:

خالصہ کا قول ہے دم میں تو نہال ہو گر تری زبان پر ست سری اکال ہو
کرنے دے انھیں جفا تو مگر نہ ہاتھ اٹھا خواہ کیسی ہی قوی وجہ اشتعال ہو
اک جہاں کے واسطے صدق کی نظیر بن اک زمانے کے لیے صبر کی مثال ہو
برچھیوں کے وار کو روکنا اگر پڑے کینہ سے دھلا ہوا سینہ تیری ڈھال ہو [۱۲]

اسلام کی محبت دل میں لیے مولانا نے انسان کی ہر اس کوشش کو سراہا جو انسانیت کی سربلندی اور اخلاقیات کی ترویج کے لیے تھی ان کا عقیدہ احترام آدمیت تھا اور اس حوالے سے ان کی کوششیں قابل تحسین ہیں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں:

''رب العالمین کے حضور سر جھکانے والے اور رحمت لعالمین ﷺ کی محبت میں سرشار رہنے والے ظفر علی خان اگر احترام انسانی اور شرف انسانی کی قدروں کی پاسداری نہ کرتے تو ان کا عقیدہ ایمان بے بنیاد ہوتا مگر اس معاملے میں ظفر علی خان کا کردار ہمالیہ کی چوٹیوں سے بلند اور سنگلاخ چٹانوں سے زیادہ مضبوط تھا۔''[۱۳]

مولانا میں رواداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی انھوں نے ہندوؤں کو رام چندر اور کرشن کی اخلاقی تعلیمات سے

آگاہ کیا نظم ''گوکل کی بانسری کی گونج''[۱۴] ''تہذیب ہنود''[۱۵]، ''دسہرا''[۱۶]، ''دسہرا اور محرم''[۱۷] اور ''جنم اشٹمی''[۱۸] وغیرہ اس کی دلیل ہیں۔

ہندوؤں کے مذہبی تہواروں پر آریہ سماجی اخبارات، ملاپ، پرتاپ وغیرہ ان سے کلام طلب کرتے تو وہ ضرور ان کا تقاضا پورا کرتے۔انھوں نے اپنے فکر وعمل سے دنیا کو اسلام کی تعصب سے بالا روح سے روشناس کرانے کی ہر ممکن کوشش کی۔مولانا ظفر علی خان اپنے خطبہ صدارت، پنجاب صوبائی خلافت کانفرنس، امرتسر میں کہتے ہیں:

> ''اسلام دنیا میں صرف ایک مقصد لے کر آیا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ بنی نوع بشر کو حق اللہ اور حق العباد کی تفصیل بتائے اور مشرق ومغرب کے سامنے ایک ایسا قانون پیش کردے۔جس کی پاسداری سے ان حقوق کا سمجھنا اوران کی حدود قائم رکھنا اس کے لیے آسان ہو جائے جس جماعت کے سپرد یہ خدمت خاص طور پر کی گئی ہے وہ مسلمانوں کی جماعت ہے ۔۔۔ یہ جماعت افراط وتفریط سے کنارہ کش ہوکر کسر وانکسار سے کام لے کر افہام وتفہیم کو اپنا دستور العمل بنا کر حق صدق، عدل و مساوات، رواداری و مسالمت کا علم بلند کرنے پر مامور ہے۔۔۔۔''[۱۹]

ان کے نزدیک بین المذاہب رواداری کا مقصد ان روایات کا تحفظ ہے جو ہمیں اسلام نے دی ہیں اور خیر وشر کی متقابل قوتوں کے درمیان ایک صحیح توازن قائم کرنا ہے تا کہ انسانوں کو ان خوفناک مصائب سے بچایا جا سکے جو سرمایہ دارانہ تہذیب کے نظام کے ہاتھوں نازل ہوتے ہیں وہ اپنے ایک خطبے میں کہتے ہیں:

> ''اسلام سب سے پہلا روحانی وتمدنی نظام ہے جس نے نسل، رنگ، زبان اور وجاہت دنیوی کے باطل امتیازات کا خاتمہ کرتے ہوئے قومیت کا ایک صحیح اور اچھوتا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا اور ایک عالمگیر برادری کی بنیادیں استوار کیں جس کے افراد کے لیے مجد وشرف کا معیار فقط اعمال کی پاکیزگی اور سیرت کی برگزیدگی قرار پائے۔''[۲۰]

ان کا ماننا تھا کہ ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ'' کی آسمانی تعلیم نے بلال حبشیؓ، سلیمان فارسیؓ اور صہیب رومیؓ کو شرفائے قریش کے پہلو میں بٹھا کر ابتدا ہی میں اس حقیقت کبریٰ کا اعلان کر دیا کہ مسلمان جغرافیہ کی قیود سے آزاد ہیں، ان میں کالے گورے کی تمیز نہیں، عرب وعجم ان کے نزدیک ایک ہیں۔ان میں سب سے زیادہ فضیلت اس گروہ کی ہے جو خدا اور اس کے رسول ﷺ پر مٹنے کی سب سے زیادہ قابلیت رکھتا ہے۔وہ چاہتے تھے کہ مسلمان قومیت اور وطنیت کے مغربی تصور کو نہیں بلکہ اسلامی تصور کو اپنائیں۔

انھوں نے اسلام کا تاج سر پر سجائے مذہبی رواداری کا سبق دیا اور معاشرے میں امن، عدل وانصاف اور محبت کے فروغ کے لیے کوشش کیں۔انھوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ مسلمان دیگر مذاہب کی علمبردار قوموں کے قلب وذہن اپنے اخلاق اور تعلیمات کے علمی اظہار سے تسخیر کر لیں۔ان کا کہنا تھا:

''عدل و انصاف ہی دل میں خدا کا خوف رکھنے والوں کا امتیازی شیوہ ہے کسی قوم سے محض اس بنا پر کہ وہ ہماری دشمن واقع ہوئی ہے بے انصافی کرنا مسلمانوں کے شایان شان نہیں۔''[۲۱]

نظم ''مجلس اتحاد و ترقی و چین کے رضا کاروں کا ترانہ'' میں کہتے ہیں۔

اسلاف کے اخلاق کا بن جاؤ نمونہ — گالی تمہیں دے کوئی تو تم اس کو دعا دو
سب سے یہ بڑا فرض ہے اس وقت تمھارا — جو تفرقے آپس کے ہیں ان سب کو مٹادو
چھوٹوں میں اطاعت ہو تو شفقت ہو بڑوں میں — اس رشتے سے ان دونوں کو آپس میں ملا دو
دل چھین لو دنیا کا محبت کے عمل سے — سیلاب مساوات و اخوت کا بہا دو [۲۲]

یہی وہ نسخہ ہے جس کی تاثیر سے معاشرے میں امن اور محبت کی فضا استوار ہوئی ہے۔''محبت بلا شبہ فاتح عالم'' ہے اور اس کے ذریعے قوموں کے قلب و ذہن کو تسخیر کیا جا سکتا ہے۔

مولانا ظفر علی خان نے ۱۹۰۷ء میں دکن ریویو کے دو ضخیم اسلام نمبر شائع کئے اور اسلامی دنیا کے سیاسی، اقتصادی و معاشرتی کوائف فراہم کرنے کا التزام کیا۔ انھوں نے ''اتحاد بین المسلمین'' پر سیر حاصل بحث کی اور سیاسی اہمیت و افادیت کو اجاگر کیا۔ یکم مئی ۱۹۱۱ء سے ہفت روزہ زمیندار لاہور سے شائع ہوا تو مسلم عوام کی امنگوں کی ترجمانی کرنے لگا۔ مذہبی رواداری اور ہندو مسلم سکھ اتحاد اس کا پہلے ہی مسلک تھا۔ اسے مزید فروغ دیا گیا۔ انھوں نے معرکہ مذہب و سائنس میں جگہ جگہ اسلام کی وسعت نظر کو بیان کرتے ہوئے واضح کیا کہ اسلام تعصب سے بالا ہے۔ غرض کہ مولانا نے اپنے زور قلم سے اپنے عہد کے عوام کو مذہبی رواداری کا درس دیا کیونکہ عدل و انصاف اور امن کے قیام کے لیے یہ سب ضروری ہے۔ مولانا کے عہد ہی میں نہیں بلکہ آج تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اب تو ایک ہی مذہب کے علماء آپس میں متفق نہیں ہو پاتے

؎ عالمان دین ہی جب ہنگامہ آرا ہوں بہم
اے مسلمانو یہ بتلاؤ کہ اب ہم کیا کریں [۲۳]

مولانا کی یہ آواز آج کی آواز بن گئی ہے لیکن معاشرے میں اس تصور کو عملی اظہار دینے کی لیے مصمم ارادے اور مستقل جدو جہد ضروری ہے صرف اجتماعی صورت حال پر اظہار خیال اور چند تنظیموں کے اجلاس سے تصور رائج نہیں ہو سکتا ہے اس کے لیے ہر فرد کو اپنی جگہ اپنا فعال کردار ادا کرنا ہوگا کیونکہ بقول مولانا ظفر علی خان:

رت جو بدلی ہے تو اس طرح خدایا بدلے
صبح کی فکر نہ ہو دغدغۂ شام نہ ہو
علم بخشا ہے تو دے ذوق عمل بھی یارب
عزم ہی کیا ہے وہ جس کے لیے اقدام نہ ہو
استوار اپنے خدا سے ہو ہمارا رشتہ
تو کبھی بھی گلہ گردش ایام نہ ہو [۲۴]

مولانا کا یہی پیغام دراصل زندگی کے پر امن اور شاد و آباد رہنے کی اساس ہے۔ اللہ کی محبت اور اس کی خاطر اس کی

مخلوق سے محبت ہماری فکر اور عمل کو ایسا اتحاد بخشتی ہے کہ اس کے بل پر تسخیر قلب وذہن ممکن ہو جاتی ہے۔یہی انسانیت کی معراج ہے۔

---

حوالہ جات:


۱۔ بحوالہ محمد اکرم ملک، پروفیسر، ''امن کے فروغ کی کوششیں'' مشمولہ: ماہنامہ، الشریعہ، جلد۴، شمارہ۵، جولائی ۲۰۰۴ء
۲۔ بحوالہ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مولانا ظفر علی خان: حیات، خدمات و آثار، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص۳۲۵
۳۔ ظفر علی خان، مولانا، کلیات مولانا ظفر علی خان، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۱ء، ص ۳۲۸
۴۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، مولانا ظفر علی خان: حیات، خدمات و آثار، ص۳۳۵
۵۔ کلیات مولانا ظفر علی خان، ص۴۳
۶۔ القرآن، سورۃ التوبہ، پارہ ۹، آیت ۳۳
۷۔ کلیات مولانا ظفر علی خان، ص۹۸
۸۔ ایضاً ، ص۳۰۶
۹۔ ایضاً ، ص۳۱۰
۱۰۔ ایضاً ، ص۳۱۱
۱۱۔ مولانا ظفر علی خان: حیات، خدمات و آثار، ص۴۷
۱۲۔ کلیات مولانا ظفر علی خان، ص۱۱۹
۱۳۔ مولانا ظفر علی خان: حیات، خدمات و آثار، ص۳۳۵
۱۴۔ کلیات مولانا ظفر علی خان، ص۳۰۵
۱۵۔ ایضاً ، ص۳۱۰
۱۶۔ ایضاً ، ص۳۰۴
۱۷۔ ایضاً ، ص۳۰۷
۱۸۔ ایضاً ، ص۱۶۳
۱۹۔ مولانا ظفر علی خان: حیات، خدمات و آثار، ص۷۰۶
۲۰۔ ایضاً ، ص۷۰۸،۷۰۹
۲۱۔ ایضاً ، ص۷۰۹
۲۲۔ کلیات مولانا ظفر علی خان، ص۱۳۱
۲۳۔ ایضاً ، ص۵۸
۲۴۔ ایضاً ، ص۱۲۵